ڈاکٹر سمیرا بشیر

شعبہ اردو، جامعہ اردو،
کراچی۔

قیام پاکستان کے بعد اُردو ناولٹ کی فضا
(یا خدا اور زمین کا خصوصی مطالعہ)

ABSTRACT

Milieu of Urdu Novella after Creation of Pakistan(with special reference to "YAKHUDA" and "ZAMEEN"

By Dr. Sumera Basheer, Assistant Professor, Department of Urdu, Federal Urdu University, Karachi.

After the creation of Pakistan, the large number of refugees that came to Pakistan were facing a lot of problems. Among the problems they faced were a proper shelter, employment, food and adjustment in the new environment. They were still bereft at the loss of their beloved ones and deceased. It is natural that when human beings are uprooted, they face innumerable difficulties as the new immigrants to Pakistan had faced. Certain Urdu novels have dealt with such issues. In this article,the researcher carefully analyses the myths regarding partition through two Urdu Novella while giving special attention to "YA KHUDA" and "ZAMEEN".

ناولٹ اردو ادب کی ایک قبول صنف ہے جو ہیئت کے لحاظ سے تو ناول سے ملتی ہے لیکن ناولٹ کی طوالت ناول سے کم ہوتی ہے۔ اس کا اختصار اس کی مقبولیت کی اہم وجہ ہے۔ ناولٹ کے لغوی معنی مختصر ناول کے ہیں اور اردو نقادوں میں سب سے پہلے علی عباس حسینی نے اس کے لیے ''ناولچہ'' کا لفظ استعمال کیا۔(۱) ناولٹ کو طویل مختصر افسانہ بھی کہا جاتا ہے۔ ناولٹ کے بارے میں بیشتر ناقدین بھی یہی کہتے ہیں کہ ناولٹ ناول سے مختصر اور افسانے سے زیادہ طویل ہوتا ہے۔

> ''ناول حیات انسانی کی اجتماعی زندگی کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے ناولٹ میں زندگی کے کچھ گوشے پیش کیے جاتے ہیں، ہیئت اور شناخت کے اعتبار سے ناول نگار کے موضوع کے ساتھ ساتھ رویئے کے لحاظ سے ناولٹ اور ناول تیکنیک میں کوئی فرق نہیں (۲)۔''

اُردو کے افسانوی ادب کے آغاز کی بنیادی وجہ جنگ آزادی ہے، جنگ آزادی نے مغل حکومت اور ہندوستانی معاشرے کو تو مکمل طور پر بدل ہی دیا لیکن اس کے ساتھ ہی علم و ادب پر بھی جنگ آزادی کے اثرات مرتب ہوئے اور جہاں انگریزی ادب کی دوسری اصناف اردو ادب میں شامل ہوئیں وہیں افسانہ، ناول اور ناولٹ بھی اردو ادب کے دائرے میں شامل ہو گئے۔ ناول اور افسانے کی طرح ناولٹ بھی انگریزی ادب سے اردو میں آیا اور ناولز کے ساتھ ساتھ ناولٹ بھی لکھے جانے لگے۔

ناولٹ لکھنے کا آغاز قیام پاکستان سے پہلے ہی ہو چکا تھا اور ڈپٹی نذیر احمد کے ناولٹ ''ایامیٰ'' کو اردو ادب کا پہلا ناولٹ کہا گیا۔ اردو کی دیگر اصناف کی طرح اردو ناولٹ کے موضوعات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے۔ ان ناولٹ نگاروں نے جہاں زندگی کے مختلف مسائل کو اپنے ناولٹوں کا موضوع بنایا ہے وہاں ۱۹۴۷ء کے فسادات اور ہجرت کے تلخ تجربات کو بھی اپنے ناولٹوں کے ذریعے پیش کیا ہے۔ فسادات اور ہجرت کے بعد مہاجرین کو نئے ملک میں آکر آباد ہونے، ملازمت حاصل کرنے، نئے ملک کی فضا اور ماحول کا عادی ہونے میں بھی کئی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ ۱۹۴۷ کے فسادات اور ہجرت کی تکالیف مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے مہاجرین کو یکساں سہنا پڑیں لیکن مغربی پاکستان میں وسائل کی کمی کی وجہ سے حالات زیادہ خراب تھے۔ وطن چھوڑنے، گھر بار لٹنے، اپنوں سے بچھڑنے کے غم کے بعد اب مقامی لوگوں کی خودغرضی اور بے حسی نے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ ناولٹ نگاروں نے ان مسائل کو بھی شدت سے محسوس کیا اور اپنے ناولٹ کا موضوع بنایا۔

اس سلسلے میں قدرت اللہ شہاب کا ناولٹ ''یا خدا'' کو بھی شہرت حاصل ہوئی اس ناولٹ میں انھوں نے دلشاد اور زبیدہ کے کردار کے ذریعے ان المیوں کو پیش کیا ہے جو انھیں پاکستان آکر پیش آئے۔

قیام پاکستان کے بعد کی صورت حال پر خدیجہ مستور نے بھی ''زمین'' کے نام سے ایک ناولٹ لکھا جس میں مہاجرین کے غلط کلیم داخل کروا کے جائیدادیں وغیرہ حاصل کرنے والے نودولتیے طبقے کی تشکیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ مہاجرین کے آپس کے تعلقات کو بیان کیا ہے۔

''یا خدا''

قدرت اللہ شہاب خود بھی ہجرت کے کرب سے گزر کر پاکستان پہنچے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مہاجرین پر گزرنے والی ہر تکلیف کو بڑی شدت سے محسوس کیا۔ غم و احساس کی یہ شدت ہی ''یا خدا'' لکھنے کا سبب بنی۔

اس ناولٹ میں انھوں نے صرف ہجرت اور فسادات کے دوران پیش آنے والے حادثات کو ہی نہیں بلکہ پاکستان میں آکر مہاجرین کو پیش آنے والے مسائل، مقامی لوگوں کی بے حسی، خودغرضی اور ظلم کو بڑی مہارت سے پیش کیا ہے۔ جس کا اظہار انھوں نے یوں کیا ہے:

''...میں نے تقریباً تمام مہاجر کیمپوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا...ان میں ہزاروں کی تعداد میں بچے بھی تھے اور جوان اور بوڑھی عورتیں بھی۔ درجنوں نے تڑپ تڑپ کر اور رو رو کر بین کرتے ہوئے مجھے اپنی... کہانیاں سنائیں۔ اس کربناک مجموعی مشاہدے نے اندر ہی اندر سلگ سلگ کر آخر ایک روز دلشاد کا روپ دھار لیا ایک شام میں قلم لے کر بیٹھا اور فجر تک ایک ہی نشست میں ''یا خدا'' کی کہانی مکمل کر ڈالی (۳)۔''

''یا خدا'' کے پلاٹ میں توازن ہے۔ اور تمام، واقعات تسلسل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے اس ناولٹ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا حصہ ''رب المشرقین''، دوسرا حصہ ''رب المغربین''، اور تیسرا حصہ ''رب العالمین'' ہے۔ ان تینوں حصوں میں انھوں نے تقسیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی، معاشرتی مسائل، خاص طور پر ہندوستان سے ہجرت کے دوران اور اس کے بعد مہاجر کیمپوں میں اور اس کے ساتھ ہی خواتین پر گزرنے والی مختلف قیامتوں کو بڑی سچائی اور جرات کے ساتھ پیش کیا۔

ناولٹ کے پس منظر، کردار اور واقعات نے ناول کی فضا کو سوگوار کر دیا ہے، ناولٹ کا آغاز سکھوں کے گاؤں انبالہ سے ہوتا ہے جہاں مسلمانوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ناولٹ کے اسی حصے میں مسلمان مہاجرین کی ریل گاڑی کے دردناک مناظر بھی پیش کیے گئے ہیں لیکن تمام مصائب جھیلنے کے باوجود زندہ رہنے والوں کی امیدیں ختم نہ ہوئیں۔

ناولٹ کے پہلے حصے ''رب المشرقین'' میں دلشاد، ملا علی بخش، رحیم خان امریت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کے کرداروں کے ذریعے ہندو مسلم تعلقات کو پیش کیا گیا ہے ناول کی مرکزی کردار دلشاد فسادات کا شکار ہونے والی ہزاروں خواتین کی کہانی پیش کرتی ہے۔ جسے ملا علی بخش کی بیٹی ہونے کی سزا گاؤں کے تمام مردوں نے مل کر دی۔

''...وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ بے یار و مددگار۔ مسجد کے دروازے کے ساتھ لگی ہوئی، سہمی ہوئی، حیران۔۔ لیکن اس کے دم سے مسجد پھر آباد ہو گئی تھی۔ لوگ باریاں باندھ باندھ کر وہاں آتے تھے...انھیں یہ فخر ہوتا کہ وہ گن گن کر ساڑھے تیرہ سو برس کی اذانوں اور نمازوں کا بدلہ چکا رہے ہیں (۴)۔''

گاؤں والوں کی ہوس آگ ذرا ٹھنڈی ہوئی تو اسے تھانے دار لبھو رام کے حوالے کر دیا گیا، جو عورتوں کی تجارت کا کام کرتا تھا۔ تھانے دار نے تین دن کے کام کو تین مہینوں میں مکمل کر کے اسے پاکستان جانے والی ریل گاڑی میں بٹھا دیا۔ پاکستان کی سرحد تک پہنچنے سے پہلے وہ ایک بچی کو بھی جنم دے چکی تھی۔

ناولٹ کے دوسرے حصے ''رب المغربین'' میں مہاجرین مغربی پاکستان یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان پہنچ چکے ہیں جہاں وہ اپنوں کی بے حسی، ظلم اور زیادتی کا شکار بنے۔

ناولٹ کے اسی حصے میں دلشاد کے علاوہ زبیدہ اور اس کے بھائی محمود کے کردار کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ ان کرداروں کی امیدیں اور خواب اس وقت چکنا چور ہوئے، جب مقامی لوگوں نے بھی انھیں نفرت و حقارت سے دیکھا، لوگوں کے سخت رویوں کے علاوہ معاشی بدحالی بھی ان کی شخصیت پر بری طرح اثر انداز ہیں۔

کیمپوں میں پہنچائی جانے والی امداد مہاجرین کی تعداد کے حساب سے بہت کم تھی اور جو کچھ دستیاب تھا اسے بھی کیمپ کے رضا کار اپنے تک ہی محدود رکھتے۔ مہاجرین کو کھانے پینے کے لیے ترسایا جاتا۔ شدید سردی میں کمبل اور لحاف ہونے کے باوجود بچے ٹھٹھر ٹھٹھر کر مر جاتے اور مائیں اپنے بچوں کو سردی سے بچانے کے لیے سب کچھ کر گذرنے کے لیے تیار رہتیں لیکن پھر بھی موت ہی ان کا مقدر بنتی، اور جب مرنے والوں پر لحاف اور کمبل ڈالے جاتے تو زندہ رہنے والے انھیں حسرت سے دیکھتے۔

قدرت اللہ شہاب نے ان کی نفسیاتی کیفیت کو اس طرح پیش کیا ہے:

> **''گر موت کے تصور میں ایک ان دیکھی، ان جانی، ان سمجھی حقیقت کا خوف نہ ہوتا، تو وہ سب بہ رضا و رغبت وہیں مر جاتے (۵)۔''**

ناولٹ کی ہیروئن دلشاد جب لٹ پٹ کر اور ایک بچی کی ماں بن کر پاکستان پہنچی تو یہاں بھی غیر محفوظ رہی اور مسلم برادری میں ایک بہن کی حیثیت سے شامل ہونے کا خواب بری طرح ٹوٹ گیا۔ اس کے دکھ اور زخم بڑھتے گئے اور اس کی عزت نفس بری طرح پامال ہوئی۔ جسے قدرت اللہ شہاب نے اس ناولٹ میں یوں بیان کیا ہے۔

> **''...اس کے تخیل میں تو مغرب کی ساری کائنات اس کی منزل تھی۔ جس میں اسے سارے اپنے ہی نظر آتے تھے لیکن یہاں کی اینٹ اینٹ اس سے پوچھتی تھی کہ کون ہو تم؟ تمھاری جیب میں پیسے ہیں؟ تمہارے جسم میں تازگی ہے (۶)۔''**

ناولٹ کے اس حصے میں قدرت اللہ شہاب نے ان نام نہاد مولویوں پر بھی گہرا طنز کیا ہے۔ جو حقوق العباد اور اسلام میں عورت کے مقام سے بے خبر ہیں، یہ مولوی کردار اسٹیشن پر دلشاد کو تماشہ بنتا تو دیکھ سکتے تھے، لیکن ایک انگریز عورت کو دلشاد کی مدد کرتے نہ دیکھ سکے انگریز عورت کا دلشاد کی مدد کرنا انھیں صرف اپنی ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی توہین لگا۔ انھوں نے نہایت حقارت سے دلشاد کو مہاجر خانے میں جانے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا:

> **''زاد قوم کی بیٹیاں بھیک کے ٹکڑوں پر نہیں پلتیں ہاں... تمھیں خود شرم آنی چاہیے (۷)۔''**

مہاجر کیمپ میں آنے کے بعد دلشاد کو صرف انتظامیہ کی بے حسی ہی کا شکار نہیں ہونا پڑا بلکہ مصطفی سیمابی کا بھی

نشانہ بنانا پڑا۔ مصطفی خان سیمابی کا کردار ان مقامی لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے، جنھوں نے مہاجر خواتین سے ہمدردی اور مالی امداد کے بدلے ان کی عزتوں کا سودا کیا۔ مصطفی خان سیمابی دلشاد کو اس کے منگیتر رحیم خان سے ملانے کا لالچ دے کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا رہا۔ جب دلشاد کو اپنی معاشرتی حیثیت بدلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ بھی ایک دن ہمت ہار بیٹھی اور بے راہ روی کے رستے پر چل پڑی دلشاد کے بعد زبیدہ بھی اپنے مرحوم دادا سے ملنے کے بہانے اپنی عزت کا سودا کر لیتی ہے۔

غرض یہ کہ اپنی زندگی اور عزت بچانے کی خاطر ہجرت کر کے آنے والی خواتین کو پاکستان میں آکر ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ گناہ آلود زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئیں۔

ناولٹ کے تیسرے حصے کا عنوان ''رب العالمین'' ہے۔ ناولٹ کے اس حصے میں دلشاد کے کردار کے ذریعے لاہور کے بعد کراچی کے حالات دکھائے گئے ہیں۔ اس حصے میں دلشاد سمیت مہاجرین کی بڑی تعداد لاہور سے کراچی آ گئی۔ مقامی لوگوں کو مہاجرین کا آنا ناگوار گزرا اور مہاجرین کو بھی مقامی لوگوں کی بے فکر اور پر آسائش زندگی کھٹکنے لگی۔ اس نا اتفاقی نے اس کے مزاج اور طرز گفتگو پر برے اثرات ڈالے اور ہندوستان اور پاکستان کے بعد مقامی لوگ اور مہاجرین ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔

قدرت اللہ شہاب نے اس حقیقت کو ایک سندھی بس کنڈیکٹر کے کردار اور پنجابی مسافر کے درمیان ہونے والے جھگڑے کے ذریعے بیان کیا ہے۔ بقول ایک کردار کے:

''مفت پاکستان مل گیا سالوں کو، ہم بھی دو دن میں مزاج ٹھکانے لگا دیں گے (۸)۔''

اسی طرح بعض نے بعض کے بارے میں یہ رائے قائم کی:

''پٹ پٹا کر یہاں آئے تو سالوں کا دماغ ہی نہیں ملتا، سر پر ہی چڑھے آتے ہیں (۹)۔''

اسی طرح دو بنگالیوں نے اس جھگڑے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

''لڑنے دو، سالے سندھیوں اور پنجابیوں کو، کہتے ہیں پاکستان کی زبان اُردو ہو گی (۱۰)۔''

لاہور کے علاوہ کراچی میں بھی خواتین کی فروخت کا سلسلہ بڑی آب و تاب سے شروع ہو گیا۔ مغویہ یا اپنوں سے بچھڑنے والی لڑکیوں کے دام ان کی شکل و صورت کے مطابق مقرر کیے جاتے۔

''سچ پوچھو تو سیزن بڑا کرارا ہے... ایک سیزن میں سولہ چھوکریاں! رام قسم میں نے تو ایسا دھندا ساری عمر نہیں دیکھا تھا (۱۱)۔''

جب کشمیر کا جھگڑا شروع ہوا تو ایک بار پھر ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے اور اغوا و آبرو ریزی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا اور بڑی تعداد میں مسلمانوں کا قتل ہوا۔ اس موقع کو بھی چیلا رام سنہری موقع جانتے ہوئے خواتین کو اغوا

کرنے، فروخت کرنے یا بے آبرو کرنے کے نئے منصوبے بنانے لگا۔

اور یوں ہندوستان کے بعد کشمیر سے آنے والی لڑکیوں کو بھی اپنوں کی بے حسی اور خود غرضی کو برداشت کرنا پڑا۔ ان کی زندگیاں اور عزت خطرے میں پڑ گئیں۔ ان حالات میں بہت سی خواتین ہمت ہار بیٹھیں اور بے راہ روی کے راستے پر چل پڑیں۔

''یا خدا'' نسوانی کردار دلشاد پر ممتاز شیریں نے یوں تبصرہ کیا ہے:

> ''اس کہانی کا المیہ یہ ہے کہ مشرقی پنجاب سے ظلم سہہ سہہ کر جب دلشاد اپنے روحانی وطن مغرب میں پناہ لینے آتی ہے تو اپنے بھی اس سے بیگانوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ اپنوں اور بیگانوں سے اس نے وہ صدمے اٹھائے ہیں۔ اس کی عصمت یوں لٹی ہے کہ اب اس کا ضمیر مر چکا ہے، اس کی روح مسخ ہو چکی ہے اور وہ جسم فروشی کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتی ہے (۱۲)۔''

کراچی آ کر دلشاد نے پکوڑیاں اور زبیدہ نے دہی بڑے بیچنا شروع کر دیئے۔ جب گاہک ان سے دہی بڑے اور پکوڑیاں لینے آتے تو وہ انھیں اپنی مسکراہٹوں اور نظروں سے اپنی طرف متوجہ کر لیتیں اور دہی بڑے اور پکوڑیاں بیچتے بیچتے وہ اپنے دام بھی وصول کر لیتیں۔

خواتین کے سماجی حیثیت کے علاوہ مقامی لوگوں کے مہاجرین کے ساتھ ناروا سلوک کو بھی قدرت اللہ شہاب نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ان لوگوں میں مصطفی سیمابی جیسے سرمایہ دار بھی شامل ہیں جو غریبوں کے لیے تھوڑا سا سرمایہ تو وقف کر دیتے ہیں لیکن ان کا یہ عمل خوف خدا یا انسانی ہمدردی کے لیے نہیں محض لوگوں کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح چیلا رام اور خوشی محمد بھی سفا کی میں جواب نہیں رکھتے۔ سیٹھ قائم علی اور دائم علی کی خدا ترسی کے پیچھے بھی ایک بہت بڑی چال تھی جو مہاجرین کے لیے بڑی تکلیف دہ ثابت ہوئی۔

غرض یہ کہ قدرت اللہ شہاب نے قیام پاکستان کے بعد کے حالات کو اپنے ناولٹ ''یا خدا'' کے ذریعے بڑے باکمال انداز میں پیش کیا ہے اور قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں میں اپنوں ہی کے لگائے ہوئے زخموں کی نشاندہی کر دی ہے۔

''زمین''

خدیجہ مستور کا ناول ''زمین'' اُن کی وفات کے بعد ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا، اس ناول کو خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کی توسیع کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ ناول قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے ان مسائل پر مبنی ہے۔ جس

سے انھیں شدید دھچکا لگا۔ مہاجرین کے اس دکھ کو خدیجہ مستور نے بڑی سچائی سے پیش کیا ہے۔

"...ناول کا ابتدائی حصہ مہاجر کیمپ کے حالات پر مشتمل ہے۔ ان مصائب اور حالات کو خدیجہ مستور نے "زمین" میں بیان کیا ہے جو ہجرت کرنے والوں کو پیش آئے تھے۔ پاکستان آنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل تھے۔ جو ہوشیار اور ابن الوقت تھے۔ انھوں نے کسی نہ کسی طرح کوٹھیاں اور بنگلے اپنے نام الاٹ کروالئے تھے۔ لیکن دیانت دار لوگ جو ابھی تک ان کیمپوں میں دھکے کھا رہے تھے (۱۳)۔"

اس ناول کا آغاز ایک مہاجر کیمپ سے ہوتا ہے۔ ناول میں کیمپ کے مہاجرین کے مختلف واقعات کو تسلسل اور توازن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مہاجرین کی الجھنیں اور پریشانیاں ہی ناول کا موضوع ہے۔ ناول کے ابتدائی حصے میں مہاجر کیمپ میں پیش آنے والے واقعات کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے اور پھر دو مہاجر لڑکیوں ساجدہ اور تاجی کی کہانی شروع ہوتی ہے۔

ناول کی فضا ابتداء ہی سے سوگوار ہے مہاجر کیمپ کا ہر فرد روحانی اور جسمانی طور پر زخمی ہے۔ ہر ایک کے پاس ایک درد بھری کہانی ہے۔ آزاد ملک میں آنے کے بعد بھی وہ خوشیوں سے محروم رہے۔ اپنے ملک میں آکر بھی انھیں اپنی زندگی اور عزت خطرے میں نظر آئی۔ دوسروں کی سچائی اور خلوص پر بھی انھیں شک ہونے لگا۔ اور وہ یقین اور غیر یقینی کی اذیت ناک کیفیت سے دوچار ہو گئے۔ بقول ڈاکٹر محمد افضال بٹ:

"زمین میں اس عہد کی سماجی ناانصافی جذباتی اور نفسیاتی مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پاکستان حاصل کرنے کا مقصد تو مسلمانوں کے مساوی حقوق کی تقسیم اور اسلامی طرز حیات کا کاربند بنانا تھا۔ لیکن یہاں تو ہر شخص مفاد پرستی کے گرداب میں بری طرح سے پھنسا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اگر کوئی انسان قوم، ملک اور وطن کی ترقی کا خواہش مند ہے تو اسے انسانی رویوں کی بے مروتی ناامید اور مایوس کر دیتی ہے (۱۴)۔"

"زمین" کے اہم کردار ساجدہ، تاجی، کاظم، سلیمہ، مالک، بڑی اماں اور خالہ بی ہیں۔ ان کرداروں کے علاوہ ساجدہ کا باپ، انوری، صلاح الدین وغیرہ کے کرداروں نے کہانی کو آگے بڑھایا ہے۔ یہ تمام کردار ہجرت کر کے پاکستان آئے تھے اور متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن پاکستان آکر سب کی معاشی اور معاشرتی حیثیت بدل گئی، کوئی متوسط طبقے سے ادنیٰ طبقے میں شامل ہو گیا اور کسی کا شمار ملک کے معزز اور صاحب حیثیت افراد میں ہونے لگا۔

'مالک' ناول کا اہم کردار ہے۔ ناظم اور کاظم اس کے بیٹے ہیں۔ بڑی اماں اس کی بیوی، خالہ بی ان کی

رشتے دار شادی سے پہلے ان کی محبوبہ رہ چکی ہیں۔ خالہ بی کے بیوہ ہونے کے بعد مالک خالہ بی اور سلیمہ کو اپنے گھر لے آئے اور اپنی بیوی اور اولاد سے زیادہ خالہ بی اور سلیمہ کو اہمیت دینے لگے لیکن خالہ بی سے شادی کرنا انھوں نے ضروری نہ سمجھا، کبھی کبھار انھیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا تو قرار حاصل کرنے کے لیے شراب کا سہارا لیتے لیکن خالہ بی سوائے صبر کے اور کچھ نہ کرسکیں۔

مالک کا کردار ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جنھوں نے تقسیم ہند کے بعد ناجائز طریقے یا لوٹ کھسوٹ سے دوسروں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر قبضہ کر لیا تھا لیکن پھر بھی ان کی ہوس ختم نہ ہوئی اور وہ دوسروں پر یہی ظاہر کرتے رہے کہ انھیں ان کی حیثیت سے کم ملا ہے۔ ناول میں ایک جگہ وہ دوسروں کو مرعوب کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ:

> ''مجھے تو اس کا دکھ ہے کہ اپنے آموں کے باغ کی ایک فصل بھی نہ دیکھی، اس کے ساتھ جو بنگلہ تھا اس میں ایک دن بھی رہنا نصیب نہ ہوا (۱۵)۔''

مالک کے علاوہ اس کا بیٹا کاظم بھی ان لٹیروں کی نمائندگی کر رہا ہے جنھوں نے خود کو مظلوم اور مستحق ظاہر کر کے اور دوسروں کی جائیداد کو اپنی ملکیت بنا لیا۔

> ''اصلی مہاجر تو ہم لوگ ہیں باقی رہے غربا تو وہاں بھی جھونپڑیوں میں رہتے تھے، فٹ پاتھ یا دکانوں کے تھڑوں پر سوتے تھے ایسے لوگ یہاں بھی خود ہی اپنی جگہ بنا لیں گے۔ حکومت بھی دراصل ہمارے جیسے لوگوں کی آبادکاری کا نعرہ لگا رہی ہے (۱۶)۔''

کاظم مقابلے کا امتحان پاس کر کے کمشنر بنا تو اس نے اپنے عہدے کا بھرپور فائدہ اٹھایا، اب اس کی ہوس صرف جائیداد تک محدود نہ رہی بلکہ وہ تاجی اور ساجدہ کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کا خواہش مند تھا لیکن ساجدہ نے کاظم کے خلاف سخت احتجاج کیا جب کہ تاجی کو اپنی غربت اور کاظم سے محبت کرنے کی وجہ سے ہار ماننا پڑی۔

تاجی ناول کا مظلوم ترین کردار ہے اگرچہ بعض جگہ وہ بے باک نظر آتی ہے لیکن جب کاظم نے اسے بار بار اپنی ہوس کا نشانہ بنایا تو وہ خاموشی سے سب کچھ سہتی رہی کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اگر وہ کاظم سے بچ کر چلی بھی گئی تو اس کی عزت اور زندگی کی حفاظت کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔ تاجی کو کیمپ سے لانے کے بعد کاظم اور اس کے گھر والوں نے اسے اپنی ملازمہ بنا لیا، جو گھر کے کام کے علاوہ کاظم کی ہر خوشی کا بھی خیال رکھتی تھی۔ تاجی کی حیثیت کاظم کے لیے ایک کھلونے سے زیادہ نہ تھی لیکن اس کے باوجود وہ کاظم سے نفرت نہ کرسکی بلکہ وہ کاظم کے جرم کا ذمہ دار بھی خود ہی کو ٹھہراتی۔ ناول میں وہ ایک جگہ ساجدہ سے کہتی ہے کہ:

> ''قصور میرا ہے باجی! پہلی بار جب کاظم نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے تو میرا تن من سب پگھل گیا تھا خالہ بی نے مجھے کتنی گالیاں دی تھیں کہ میں ان کے معصوم

بیٹے کو بھڑ کا رہی ہوں مگران کا افسر راجہ جب چاہتا ہے مجھے رشوت کے مال کی طرح کھالیتا ہے (۱۷)۔''

ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے تاجی کے کردار کو مناسب ترین الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

''کاظم نے مظلوم نوکرانی تاجی کی زندگی کو اس وقت تک داغ دار کیا جب کہ وہ طبی وجوہ کی بناء پر نوجوانی ہی میں اذیت ناک موت سے ہم کنار ہوگئی (۱۸)۔''

ناظم ناول کا ہیرو ہے، ابتدا میں اس کا کردار الجھا ہوا ہے لیکن جیسے جیسے ناول کی کہانی آگے بڑھتی ہے ناظم کی شخصیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

ناظم محبِّ وطن ہے وہ تحریک پاکستان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے لیکن تقسیم ہند کے بعد ملک میں ناانصافی اور بے ایمانی دیکھ کر اسے بہت تکلیف پہنچی، وہ ناجائز طریقے سے دوسروں کی جائیداد پر قبضہ کرنے والوں کے سخت خلاف ہے اسے ان سرکاری افسروں سے بھی نفرت ہے جو رشوت کے سہارے فرش سے عرش پر پہنچ گئے تھے۔ ایک دن تنگ آ کر اس نے محکمہ بحالیات کی ملازمت چھوڑ دی جس پر اس کے گھر والے اس سے سخت ناراض ہوئے۔ خاص طور پر ناظم اور کاظم کے تعلقات اس قدر خراب ہوئے کہ کاظم نے اسے گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

ڈاکٹر نیلم فرزانہ نے ناظم کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ناظم کا کردار بعض ترقی پسند ادیبوں اور ورکروں کی یاد دلاتا ہے جو پاکستان کے قیام کے ابتدائی دنوں میں نئے پاکستان کے ابھرتے ہوئے ڈھانچے سے خوش نہیں تھے اور پاکستان کی سیاست و معاشرت پر کڑی تنقید کر رہے تھے (۱۹)۔''

ساجدہ سے شادی کر کے ناظم الگ گھر میں چلا گیا جہاں کچھ ہی عرصے کے بعد ناظم کو نئے پاکستان کی تشکیل اور حکومت کی مخالفت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا جہاں جیل کی صعوبتوں سے تنگ آ کر ناظم نے حکومت سے معافی مانگ لی اور اسے رہا کر دیا گیا۔ ناظم کے جذباتی الفاظ کو ناول نگار نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''میں جمہوریت، انصاف اور مساوات کا حامی ہوں، قلم اور زبان پر پابندیوں کے خلاف ہوں حکومت پر تنقید کرتا ہوں۔ انھیں تو یہ بھی برا لگتا ہے کہ میں پاکستان کو ایک مثالی ملک بنانے کا خواب دیکھتا ہوں۔ انھیں ان باتوں سے سازش کی بو آ رہی تھی اور وہ سازش کا پتہ چلانا چاہتے تھے۔۔۔ جب میں نے انھیں یقین دلایا کہ میں بھی پاکستان کو من و سلویٰ سمجھ کر کھاؤں گا تو مجھ پر جو عذاب نازل ہونا تھے وہ ختم کر دیئے گئے اور میں رہا ہو گیا (۲۰)۔''

جیل سے رہا ہونے کے بعد ناظم کی صحت اتنی خراب ہوئی کہ اسے ملازمت چھوڑنا پڑی اور وہ معاشی مسائل کا شکار ہوگیا اس موقع پر ساجدہ نے ناظم کا بھرپور ساتھ دیا اور ایک اسکول میں نوکری کر لی۔ ساجدہ ناول کی ہیروئن ہے وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ مہاجر کیمپ میں آئی تھی۔ مہاجر کیمپ میں ہی ناظم اور ساجدہ کے باپ کی دوستی ہو جاتی ہے۔ کیمپ میں ڈاکٹروں کی لاپرواہی اور بروقت علاج نہ ہونے کی وجہ سے ساجدہ کے باپ کا انتقال ہو جاتا ہے اور ناظم اور سلیمہ ساجدہ کو اپنے گھر لے آتے ہیں۔ ناظم کے گھر والوں کو ساجدہ کا آنا اچھا نہ لگا خاص طور پر خالہ بی نے بہت سے اعتراضات کیے لیکن وہ اسے گھر میں رہنے سے روک نہ سکی۔

پاکستان آ کر ناظم کے گھر والوں نے اپنی حیثیت کو بدلا تو ان کی سوچ نے بھی پلٹا کھایا۔ صرف اچھی حیثیت والا ہی ان کے نزدیک اچھا ہوتا۔ جب انھیں ساجدہ کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کے والد ایک دکان میں منشی تھے تو خالہ بی نے اسے گھر کی ملازمہ کا درجہ دینا چاہا لیکن ساجدہ جھکنے والوں میں سے نہ تھی وہ خالہ کے سامنے مقابلے کے لیے کھڑی ہوگئی اور کچھ عرصے بعد اس نے ایک کالج میں تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی لیکن اس کے باوجود کاظم اسے اچھی نظر سے نہ دیکھتا اس کے لیے تاجی اور ساجدہ برابر تھیں لیکن ساجدہ نے اس کے سارے حوصلے پست کر دیئے۔

کاظم اور خالہ بی کے اس رویے پر ناظم بے حد شرمندہ تھا۔ ناظم کی ساجدہ سے ہمدردی محبت میں بدل گئی اور اس نے ساجدہ کو شادی کی پیشکش کی۔ اس موقع پر ساجدہ نے انکشاف کیا کہ ہجرت کے نتیجے میں اس نے جو دکھ اٹھائے ہیں ان میں سے ایک دکھ صلاح الدین کی جدائی بھی ہے جس کا اسے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ اس نے ناظم سے درخواست کی کہ وہ صلاح الدین کو تلاش کرنے میں اس کی مدد کرے ناظم نے صلاح الدین کی تلاش کے لیے اخبار میں اشتہار دیا۔

ساجدہ نے شرط کے مطابق آٹھ روز تک صلاح الدین کا انتظار کیا، لیکن اس سے رابطہ نہ ہو سکا، اس کے بعد وہ ناظم سے شادی کے لیے رضامند ہوگئی۔ ساجدہ کے برعکس صلاح الدین ساجدہ کو بھول چکا تھا جب ساجدہ دو بچوں کی ماں بن چکی تو ایک دن کاظم کے گھر اس کی ملاقات صلاح الدین سے ہوئی لیکن اب اسے ساجدہ سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی وہ صرف اس بات پر خوش تھا کہ وہ کمشنر کی بھاوج ہے۔ اس نے اپنا تعارف یوں کرایا:

> ''میں سرگودھا میں رہتا ہوں... وہاں میری بہت سی زمینیں ہیں، دس مربعوں میں تو صرف باغ ہیں بڑے اچھے مالٹے ہیں... خالص ریڈ بلڈ میری بیوی کو بھی جہیز میں پچیس مربعے ملے ہیں ہم دونوں اپنے علاقے کے بڑے زمیندار ہیں (۲۱)۔''

سلیمہ ناول کا معاون کردار ہے سلیمہ کا کردار خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' کے کردار عالیہ سے ملتا جلتا ہے۔ سلیمہ بھی عالیہ کی طرح گھر کے خراب ماحول کی وجہ سے اکثر رنجیدہ رہتی، وہ اس بات پر بے حد شرمندہ تھی کہ اس کے

گھر والوں نے ناجائز طریقوں سے دوسروں کی جائیداد پر قبضہ کر کے اپنی حیثیت کو بدل لیا ہے، وہ اکثر سوچتی!

> ''تقسیم سے پہلے ہم تین کمروں کے سرکاری کوارٹر میں رہتے تھے تو اس سے کہیں بہتر تھے۔ سب کچھ جانتے ہوئے کوئی زبان نہ کھولتا تھا خاندان اور پڑوس کے خیال سے کوئی بھی اونچی آواز میں نہ بولتا تھا (۲۲)۔''

سلیمہ اس بات پر بھی شرمندہ تھی کہ اس کی ماں (خالہ بی) مالک کی بیوی نہیں لیکن وہ ان کے ساتھ ایک بیوی کی طرح زندگی گزار رہی ہے اور ان کی بیوی صبر سے سب کچھ برداشت کر رہی ہے۔ وہ اپنی ماں کے علاوہ مالک سے بھی متنفر تھی جس نے اسے اور اس کی ماں کو اپنے بیوی بچوں سے زیادہ اہمیت دی تھی لیکن اس کی ماں سے شادی نہ کی۔ ناظم اور ساجدہ کے ساتھ سلیمہ کے اچھے تعلقات تھے ان کے گھر سے جانے کے بعد سلیمہ نے بھی ہوسٹل میں رہنا شروع کر دیا، کبھی کبھی وہ گھر والوں سے ملنے آتی تو سب سے لاتعلق رہتی۔ ناول کا کردار ''نوری'' ساجدہ کی بچپن کی سہیلی ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ان کا کام لوگوں کے گھروں کا پانی بھرنا تھا۔ پاکستان میں ہجرت کے بعد ان کی حیثیت بدلی تو انھوں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا جو ان کے ماضی سے باخبر تھے۔ ساجدہ کے بھی بے حد اصرار پر اس نے ڈرتے ڈرتے اعتراف کیا کہ وہ ''نوری'' ہی ہے۔ ساجدہ اگرچہ ناظم کے ساتھ ایک پر وقار زندگی گزار رہی تھی لیکن اس کا المیہ یہ تھا کہ وہ صلاح الدین کو بھول نہ پائی۔ وہ ناظم کی بیوی تھی لیکن تصوراتی دنیا میں صلاح الدین کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔

نیلم فرزانہ اس ناول کے کرداروں کے بارے میں کہتی ہیں:

> ''زمین کی ساجدہ اور سلیمہ بہت حد تک آنگن کی عالیہ ہی کا روپ ہیں ان کے احساسات اور ان کا شعور عالیہ کی یاد دلاتا ہے۔ زمین میں یہ دونوں کردار جس انجام کو پہنچتے ہیں وہ ان کے اسی شعور کا نتیجہ ہوتا ہے جو آنگن میں عالیہ کے انجام کا سبب بنا (۲۳)۔''

ناول ''نگن'' اور ''زمین'' فسادات کے موضوع پر لکھے گئے ہیں اور ان کے کرداروں کا تعلق متوسط طبقے سے ہے لیکن ان کی ذہنی سطح، خیالات اور رویے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

''آنگن'' کی عالیہ اگرچہ ''زمین'' کی ساجدہ کی طرح حساس ہے لیکن دونوں کے رویے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ عالیہ میں خود اعتمادی کی کمی ہے وہ بہت کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن جرات کی کمی ہے اور لڑائی جھگڑے کے خوف سے وہ کچھ کہہ نہ پاتی۔ اسے کسی خاص شخص سے محبت نہیں لیکن اس کے ذہن میں ایک آئیڈیل کا تصور ہے۔ اس آئیڈیل کی خصوصیات اسے جمیل اور کیمپ کے ڈاکٹر صفدر میں نظر نہ آئیں اور وہ تنہا زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیتی

ہے۔ جب کہ ''زمین'' کی ساجدہ عالیہ کے برخلاف پُراعتماد اور باہمت لڑکی ہے۔ ہجرت کے بعد اسے مالک کے گھر میں پناہ لینا پڑی تو وہاں بھی اس نے اپنی حیثیت کو منوالیا۔ ہجرت کے بعد صلاح الدین سے بچھڑنے کے بعد اسے اپنے تحفظ کے لیے ناظم سے شادی کرنا پڑی لیکن عالیہ کی طرح تنہائی اس کا مقدر نہ بنی۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان نے ''زمین'' کے کرداروں کا ''آنگن'' کے کرداروں سے موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ:

> **''آنگن'' میں چھمی ایسی طبیعت رکھنے والی لڑکی تھی اور زمین میں اس کا سایہ تاجی کی شکل میں موجود ہے (۲۴)۔''**

''آنگن'' کی چھمی ''زمین'' کی تاجی کی طرح ماں باپ کی محبت سے محروم، ناسمجھ اور غیر تعلیم یافتہ تو ہے لیکن دونوں کے مزاج اور زندگی گزارنے کے انداز میں فرق ہے۔ چھمی ہر جائز اور ناجائز طریقے سے اپنی بات منوالیتی اور اپنے ساتھ کی جانے والی ہر زیادتی کا بدلہ بھی لے لیتی۔ جمیل کو اپنانے کی وہ شادی کے بعد کوشش کرتی رہی اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔ ''زمین'' کی تاجی غریب ماں باپ کے سائے سے محروم ہونے کی وجہ سے کاظم کے گھر میں ان کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کو سہتی رہی، گھریلو کاموں کے علاوہ خالہ بی کی ڈانٹ پھٹکار اور کاظم کا تشدد اس کی زندگی کے معمولات میں شامل تھا جسے وہ بڑے صبر و تحمل سے برداشت کر رہی تھی۔ ناول میں ایک جگہ وہ خود اعتراف کرتی ہے کہ:

> **''جب اللہ میاں نے غریبوں کو پیدا کیا تھا۔۔ تو ان سے شرم و حیا چھین لی تھی۔ اماں کہتی تھی غریب آدمی شرم کرے تو پیٹ کہاں سے بھرے (۲۵)۔''**

مجموعی طور پر یہ ناول مہاجرین اور مقامی لوگوں کے آپس کے تعلقات اور رویوں کا آئینہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی عورت کی معاشرتی حیثیت کو بھی نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔ تاجی اور ماں جی ناول کے مظلوم کردار ہیں جو ہمارے معاشرے کی روایتی عورتوں کی طرح کاظم، صلاح الدین اور مالک کے ہر ظلم و ستم کو محض تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیتی ہیں۔ دوسری طرف کاظم، مالک اور صلاح الدین ہیں جو ظالم، موقع پرست اور مادہ پرست ہونے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ان کے لیے عورت کی وفا کھیل تماشا اور مہاجرین ایک مصیبت اور ملک من و سلویٰ تھا جسے ہڑپ کرنا وہ حق سمجھتے تھے۔

خدیجہ مستور کا ناول ''زمین'' قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کے مسائل پر مبنی ہے جس میں مقامی لوگوں اور حالات کے ستائے ہوئے مہاجرین کی زندگیوں پر قیام پاکستان کے اثرات اور بعد کے مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔ خدیجہ مستور نے ناول کے کرداروں کے ذریعے یہ بات واضح کر دی ہے کہ ۱۹۴۷ء کے فسادات اور ہجرت کی صعوبتیں سہنے کے بعد جب مسلمان پاکستان پہنچے تو نہ انھیں آزادی کی خوشی ملی اور نہ ہی اپنوں کی اپنائیت نصیب ہوئی مقامی لوگوں نے انھیں حقیر سمجھ کر بری طرح نظر انداز کیا وہ مال و املاک اور جائیداد وغیرہ جن پر مہاجرین کا حق تھا ان پر مقامی

لوگوں کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں بھی جائیداد کے لین دین کے معاملے میں مقامی لوگوں اور مہاجرین میں لڑائی جھگڑے ہونے لگے۔ اور آنے والے وقت کے لیے ان کے دلوں میں مختلف خدشات نے گھر کرلیا۔

''دراصل قیام پاکستان کے بعد جس قسم کے مسائل درپیش تھے ان میں مہاجر کیمپ، مہاجرین کی آبادکاری کے مسائل کے علاوہ مفاد پرستوں نے جس طرح سے فائدے اٹھائے اس کے علاوہ نئی مملکت کو مختلف طرح کے مسائل کا سامنا تھا۔ ایسے میں قائد کی وفات نے لوگوں کو مختلف قسم کے اندیشوں میں مبتلا کر دیا تھا (۲۶)۔''

وہ مہاجرین اور مقامی لوگ جو اثر و رسوخ رکھتے تھے انھوں نے اس موقعے کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس طرح قیام پاکستان کے بعد بے سروسامان مہاجرین، نو دولتیے مہاجرین اور نو دولتیے مقامی لوگ معاشرے کا حصہ بن گئے، اور یوں نو دولتیوں کا طبقہ متعارف ہوا جو ہر قسم کے اختلافات سے بے نیاز تھا صرف دولت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھی، رشتوں کا تقدس اور احترام ان کے لیے بے معنی تھا۔

دراصل قیام پاکستان کے ابتدائی سالوں میں جن لوگوں نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی یا مختلف اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے ان میں سے بیشتر افسران نے مہاجرین کے مسائل حل کرنے کے بجائے اپنی حیثیت کو بدلنے کے بارے میں سوچا جس کی وجہ سے بہت سے مہاجرین کو اپنی حیثیت کے مطابق جائیداد وغیرہ نہ مل سکی اور وہ لوگ صرف روحانی طور پر ہی زخمی نہ ہوئے بلکہ معاشی طور پر بھی تنگ دستی کا شکار ہوئے۔ یہ پاکستانی معاشرے کی بدنصیبی کی ابتدا تھی۔

حواشی:

(۱) علی عباس حسینی، اُردو ناولٹ، ہیئت، اسالیب اور رجحانات (مجموعہ مضامین)، تحقیق و تدوین: ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی (لکھنؤ، پرکاش پیکیجز، گولا گنج، ۲۰۱۴ء)، ص ۳۰۔

(۲) ایضاً، ص ۳۵۔

(۳) قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، طبع یازدہم، ۱۹۹۲ء)، ص ۲۸۔۳۲۷۔

(۴) قدرت اللہ شہاب، یا خدا، (لاہور: لاہور اکیڈمی، طبع سیزدہم)، ص ۲۳۔

(۵) ایضاً، ص ۶۲۔۶۱۔

(۶) ایضاً ص ۷۷۔

(۷) ایضاً ص ۴۹۔

(۸) ایضاً ص ۸۱۔

(۹) ایضاً ص ۸۱۔

(۱۰) ایضاً ص ۶۹۔

(۱۱) ایضاً ص ۸۴۔

(۱۲) ممتاز شیریں، معیار، (لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء)، ص ۱۷۳۔

(۱۳) راشدہ قاضی، ڈاکٹر، اردو افسانوی ادب میں خدیجہ مستور کا مقام، (ادارہ فروغ پاکستان، طبع اول ۲۰۱۲ء)، ص ۲۱۹۔

(۱۴) محمد افضال بھٹی، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، (اسلام آباد: پورب اکادمی، اپریل ۲۰۰۹ء) ص ۲۲۳۔

(۱۵) خدیجہ مستور، زمین، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء) ص ۴۷۔

(۱۶) ایضاً ص ۴۸۔

(۱۷) ایضاً ص ۱۳۸۔

(۱۸) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، (کراچی: ویلکم بک پورٹ، طبع اول جولائی، ۱۹۹۳ء) ص ۱۶۱۔

(۱۹) نیلم فرزانہ، ڈاکٹر، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء) ص ۲۵۲۔

(۲۰) خدیجہ مستور، محولہ بالا ص ۳۸۔

(۲۱) ایضاً ص ۱۸۲۔

(۲۲) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، محولہ بالا ص ۱۵۹۔

(۲۳) خدیجہ مستور، محولہ بالا ص ۱۳۱۔

(۲۴) نیلم فرزانہ، ڈاکٹر، محولہ بالا ص ۲۵۲۔

(۲۵) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، محولہ بالا ص ۱۵۹۔

(۲۶) خدیجہ مستور، محولہ بالا ص ۱۳۱۔

مآخذ:

۱- بھٹی، محمد افضال، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، اسلام آباد: پورب اکادمی، اپریل ۲۰۰۹ء۔

۲- حسینی، علی عباس، اُردو ناولٹ، ہیئت، اسالیب اور روجحانات (مجموعہ مضامین) تحقیق و تدوین، ڈاکٹر وضاحت حسین رضوی (لکھنؤ، پرکاش پیکیجز، گولا گنج، ۲۰۱۴ء)

۳- خان، ممتاز احمد، ڈاکٹر، اردو ناول کے بدلتے تناظر، کراچی: ویلکم بک پورٹ، طبع اول جولائی، ۱۹۹۳ء۔

۴- شہاب، قدرت اللہ، یا خدا، لاہور: لاہور اکیڈمی، طبع سیزدہم۔

۵- شہاب، قدرت اللہ، شہاب نامہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، طبع یازدہم، ۱۹۹۲ء۔

۶- شیریں، ممتاز، معیار، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۶۳ء۔

۷- فرزانہ، نیلم، ڈاکٹر، اردو ادب کی اہم خواتین ناول نگار، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء۔

۸- قاضی، راشدہ، ڈاکٹر، اردو افسانوی ادب میں خدیجہ مستور کا مقام، ادارہ فروغ پاکستان، طبع اول ۲۰۱۲ء۔

۹- مستور، خدیجہ، زمین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔